Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:3 (1975)

حج کا تاریخی پس منظر

مفتی محمد رفیع اللہ

حج بنیادی طور پر ایک اسلامی اصطلاح ہے کیونکہ اسلام میں حج کا ایک خاص تصوّر اور فلسفہ ہے، جس کے تحت اسے اسلام کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے تاہم مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور وہاں پر مخصوص آداب و مراسم بجا لانے کی رسم نہایت قدیم زمانے سے موجود چلی آرہی ہے انسانی تاریخ کے ہر دور میں اس کو مذہبی تقدس حاصل رہا ہے اور دنیا اس کو ایک مذہبی عبادت اور فریضہ کے طور پر ادا کرتی چلی آئی ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے ہاں کوئی نہ کوئی جگہ ایسی ضرور ہوتی ہے جس کو ان کے نزدیک مذہبی تقدس و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے مقامات پر جاکر وہ خاص آداب و مراسم بجالاتے ہیں اور اپنے معبودوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دیتے ہیں۔ اگرچہ اختلاف مذاہب و اعتقادات کے سبب اس کی شکلیں اور طریق ادا میں اختلاف ہوتا رہا ہے لیکن بنیادی طور پر یہ رسم تاریخ کے ہر دور اور ہر مذہب میں موجود رہی ہے۔

سب سے پہلے آپ قدیم مصری اقوام کو لیجئے۔ دوسری اقوام کی طرح مصری بھی بت پرستی کی گمراہی میں مبتلا تھے۔ انہوں نے بہت سے معبود بنا رکھے تھے۔ ہر معبود کا ایک مخصوص مندر ہوتا تھا جس کو ہیکل کہتے تھے۔ اُن کے چند مشہور ہیکل یہ تھے، ہیکل ریزیو، ہیکل فتاح اور ہیکل آمون۔ مصری باشندے خاص ایام میں ان مندروں پر جاکر رسوم و آداب بجا لاتے تھے۔ یہ ایام مصریوں کے ہاں بڑے مقدس شمار ہوتے تھے۔ ان میں یہ خیال عام تھا کہ ان ایام میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے آگے چل کر وہ ایک عظیم مذہبی رہنما بنتا ہے۔(۱)

اہلِ کتاب میں یہودیوں کے ہاں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا تصوّر قدیم زمانہ سے موجود رہا ہے۔

۱۔ حکمۃ التشریع وفلسفتہ ص ۲۷۶، ج ۱

چنانچہ زمانہ دراز قبل مسیح سے یہودی بیت المقدس کے اس مقام پر رسمیں ادا کرتے تھے جہاں ان کے خیال میں تابوت عہد رکھا ہوا تھا۔ سال میں تین بار یہودی اس مقام پر آکر یہ فریضہ ادا کرتے تھے (ان ایام میں یروشلم کے مقام پر ایک عظیم الشان بازار لگتا تھا۔ جو آگے چل کر اس شہر کی آبادی کا سبب بنا)

یہاں تک کہ طیطس نے ۷۰ء میں بیت المقدس پر حملہ کرکے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، جس میں ہزاروں یہودی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اور جو زندہ بچ گئے ان کو جلاوطن کردیا گیا جس کے نتیجہ میں پانچ سو سال تک ان کا یہ فریضہ موقوف رہا، تا آنکہ رجب ۱۶ھ بمطابق ۶۳۶ء میں مسلمانوں نے خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اسے فتح کیا۔ اور ایک معاہدے کے تحت یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کو بھی امن و امان کے ساتھ بیت المقدس میں آکر رہنے اور مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت مل گئی۔ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں کچھ عرصہ کے لئے پھر ان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ۱۵۱۷ء میں جب بیت المقدس ترک عثمانیوں کے ہاتھ آیا تو پہلے کی طرح پھر یہودیوں کو بیت المقدس آکر مذہبی فرائض ادا کرنے کی سہولت حاصل ہوئی۔ اس تاریخ سے آج تک یہودی ہیکل سلیمانی کے پاس یہ عبادت ادا کرتے ہیں۔ (۲)

عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں ایک لفظ پلگرمیج (PILGRIMAGE) ملتا ہے، جس کے معنی حج و زیارت کے ہیں۔ ان کے یہاں اس لفظ کا اطلاق صرف اس سفر پر ہوتا ہے جس میں مقامات مقدسہ و متبرکہ کی زیارت کا قصد ہو۔ (۳)

چنانچہ عیسائی ۳۰۶ء بعد المسیح سے بیت المقدس میں یہ مذہبی فریضہ بجا لاتے ہیں ان کے ان مراسم کا چار مقامات سے تعلق ہے (۱) بیت المقدس (۲) بیت لحم (۳) اریحا، (۴) اور دریائے اردن۔ زائرین کے قافلے جب بیت المقدس کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو بیت المقدس میں داخل ہونے سے پیشتر دریائے اردن میں غسل کرتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق اس مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کی تطہیر ہوئی تھی۔ غسل کے بعد معمولی کپڑے اتار دیتے ہیں اور ایک چادر پہن کر بیت المقدس میں داخل ہوتے ہیں دوسرے مراسم کے علاوہ جو یہ لوگ ادا کرتے ہیں ایک کلیسائے مزار مقدس کا تین مرتبہ طواف کرنا ہے (کلیسائے مزار مقدس شاہ قسطنطین اعظم کی والدہ ملکہ ہلینا نے زرکثیر صرف کرکے تعمیر کرایا تھا۔ جس کے

۲۔ حکمۃ التشریع و فلسفۃ، ص ۲۸۱، ج ۱، الرحلۃ الحجازیہ محمد حبیب البتنونی ص ۱۵، ج ۱، ۳۔ عبدالقدیر، بیت المقدس ص ۲۱۷

© rasailojaraid.com

© Tasaneef.com

وسط میں حضرت مسیح علیہ السلام کا مفروضہ مزار ہے۔ تمام کلیساؤں میں اس کو ممتاز اور مقدس سمجھا جاتا تھا) کلیسائے مزار مقدس کی رسومات ادا کرنے کے بعد زائرین اریحا جاتے ہیں اور وہاں سے دریائے اردن جاکر نہاتے ہیں، واپسی پر دریائے اردن کا پانی بطور تبرک لے جاتے ہیں جیسے زمزم کا پانی مسلمان حاجی مکہ سے لاتے ہیں۔ سلجوقیوں کے بیت المقدس پر قبضہ کے بعد عیسائی زائرین کی توجہ بیت المقدس کے بجائے روم میں پطرس اور پولس کی کلیساؤں کی طرف ہوگئی۔ ان کا خیال تھا کہ جو قمیص حضرت مسیحؑ پہنا کرتے تھے وہ روم کی کلیسا میں ہے لیکن اس وقت عیسائی زیادہ تر دوسرے مقامات کے بجائے بیت المقدس ہی جاتے ہیں (۴)

ہندو مذہب میں بھی قدیم زمانہ سے اس کا تصور پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آج بھی ہندوستان کے بعض مشہور مندروں پر ہندو خاص ایام میں جاکر مذہبی مراسم وآداب بجا لاتے ہیں۔ جس کو ہندی میں یاترا کہتے ہیں۔

چینیوں کے ہاں بھی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا تصور نہایت قدیم ہے۔ چینی زمانہ دراز سے "نیان" کے مندر پر دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے آتے ہیں اور اس مقام پر مذہبی مراسم ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح جاپانیوں میں بھی مذہبی عبادت کی حیثیت سے اس کا تصور نہایت قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ جاپانی صوبہ "ساگا" کے مشہور مندر کی زیارت مذہبی فریضہ کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں زندگی میں ایک مرتبہ اس مندر کی زیارت مذہبی فریضہ شمار ہوتی ہے۔ اور جیسے مسلمانوں کے نزدیک ایک سے زائد مرتبہ حج باعث بلندی درجات اور کار ثواب شمار ہوتا ہے اسی طرح ان کے ہاں بھی ایک سے زائد مرتبہ اس مندر کی زیارت کار ثواب ہے۔ مراسم وآداب بجا لاتے وقت ان لوگوں کا لباس تقریباً ویسا ہوتا ہے جیسا مسلمان احرام کی حالت میں پہنتے ہیں۔(۵)

ان کے علاوہ بھی دنیا کے قدیم سے قدیم مذاہب میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا تصور موجود رہا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سامی اقوام میں بھی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت

---

(۴) الرحلۃ الحجازیہ ص ۱۵۱، ج ۱، حکمۃ التشریع وفلسفتہ ص ۲۷۹، ج ۱، (۵) ایضاً ص ۵۰، ج ۱

کا تصور پایا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ مذہبی عبادت کی حیثیت سے اس کو ادا کرتے تھے جس سے اس کی قدامت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مناسک حج کی تاریخ ہمارے حج کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟ اور بنی نوع انسان میں سب سے پہلے کس نے یہ روایت قائم کی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حج کی عبادت ابتدائے آفرینش سے چلی آ رہی ہے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اتارا گیا اور آپ کو مکہ کے مقام پر پہنچا دیا گیا تو آپ نے اپنے ربّ سے فرشتوں کی آوازیں نہ سننے کی شکایت کی جس کے جواب میں آپ کو بیت اللہ کی تعمیر اور اس کے طواف کا حکم ہوا۔

بیہقی نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ذریعے ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں۔ ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی تو اُن کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر اول بیت وضع للناس یعنی پہلا وہ گھر ہے جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے (۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حج آدم فقضى المناسك فلما حج قال رب لكل عامل اجر قال الله تعالى اما انت يا آدم فقد غفرت لك واما ذريتك من جاء منهم هذا البيت فباء بذنبه غفرت له (۷)

یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا اور مناسک حج پورے کئے، جب حج سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے اے پروردگار ہر عامل کو اجر ملتا ہے (میں بھی اس کا مستحق ہوں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تجھ کو میں نے بخش دیا اور تیری اولاد میں جو اس گھر پر آکر اپنے گناہوں کا اعتراف (توبہ استغفار) کریگا میں اسکی بھی مغفرت کر دوں گا۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام تک آپ کی ذریت بیت اللہ کا حج کرتی چلی آئی۔ پھر طوفانِ نوح

---

(۶) دلائل النبوۃ، ص ۳۹۴، طبع مصر ۱۳۸۹ھ

(۷) الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، ص ۱۳، ازرقی المتوفی ۲۵۰ھ اخبار مکہ حصہ اوّل ص ۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کعبۃ اللہ کو اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر انہی بنیادوں پر دوبارہ کر دی اور دنیا کو پھر مناسک حج سے روشناس کیا۔ اس لیے ڈوزی (۸) کا یہ نظریہ سراسر غلط اور تاریخی شواہد سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ کہ مناسک حج یہودی الاصل ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ یہودیوں کے ہاں اس قسم کا کوئی مذہبی فریضہ نہیں۔ یہودیوں میں اسلامی حج سے ملتے جلتے ایک مذہبی فریضہ کا تصور یقیناً موجود تھا مگر ان چند رسومات کے وجود سے یہ لازم نہیں آتا کہ حج کا تصور سب سے پہلے یہودی مذہب نے پیش کیا ہو یا یہ کہ اسلامی حج یہودی مراسم سے لیا گیا ہو۔

بنائے کعبہ کی مختصر تاریخ حج کا تعلق چونکہ براہ راست بیت اللہ سے ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیت اللہ کی تعمیر کا اجمالاً ذکر کر دیا جائے۔

تعمیر کعبہ کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں، اہل علم کا ایک طبقہ اس پر مصر ہے کہ بیت اللہ کی ابتدائی تعمیر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں ہوئی ہے، اس سے پہلے کی تعمیر ثابت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے پیشتر تعمیر کعبہ کے سلسلے میں جتنی روایات اور تاریخی شواہد پائے جاتے ہیں، ان کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ یہ سب روایات اور شواہد ناقابل اعتماد اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں کوئی معتبر دلیل اس کی موجود نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بھی بیت اللہ کی تعمیر کسی نے کی ہو۔ ولم یجیٔ فی خبر صحیح عن معصوم ان البیت پیغمبرؐ سے کسی صحیح حدیث میں یہ منقول نہیں ہے کان مبنیاً قبل الخلیل علیہ السلام ...... ولکن کہ حضرت خلیل علیہ السلام سے پہلے بھی بیت اللہ کی تعمیر ہوئی ہو۔ اور یہ سب روایتیں اسرائیلیات کل ھذہ الاخبار عن بنی اسرائیل (۹) کی قبیل سے ہیں۔

۸۔ ڈوزی نژاد فرانسیسی الاصل ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئے تھے، ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے کئی قابل قدر کتابوں کے مؤلف، عربی مخطوطات پر کام سے ان کو خاص لگاؤ تھا ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے (احمد عطیۃ اللہ القاموس الاسلامی ص ۴۰۷، ج ۲)

۹۔ ابن کثیر، البدایہ ص ۱۶۳، ج ۱

ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں:

واُما بناء الملائکۃ و آدم و شیث فلم یصح (۱۰) فرشتوں، آدمؑ اور شیثؑ کی تعمیرِ کعبہ ثابت نہیں ہے۔

حسین ہیکل نے اپنی کتاب "فی منزل الوحی" میں فرشتوں اور بناء آدم علیہ السلام سے متعلق تمام روایتیں نقل کرکے ان پر سخت تنقید کی ہے کہ ان روایات کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ ظاہری قرائن سے بھی استدلال کرکے ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وادیٔ مکہ میں آنے سے قبل یہاں کسی نے بھی کعبہ یا بیت اللہ کے نام سے کوئی تعمیر نہیں کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ ہی خدا کے وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی ہے۔(۱۱)

دوسرے اہل علم حضرات کی رائے اس کے برعکس یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہو چکی تھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی یا فرشتوں نے۔ اس طرح یہ دونوں فریق ان روایات اور تاریخی شواہد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جو جناب خلیل اللہ علیہ السلام سے قبل تعمیرِ کعبہ کے متعلق موجود ہیں۔

قرائن اور قرآنی اشارات کو سامنے رکھ کر ان روایات و شواہد کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات زیادہ قرینِ حق معلوم ہوتی ہے کہ بناء ابراہیمی سے قبل بیت اللہ کی تعمیر یقیناً ہو چکی تھی، قطع نظر اس سے کہ پہلے فرشتوں نے کی ہے یا جناب آدم علیہ السلام نے اور ہمارے خیال میں اس رائے کی درست اور قابلِ قبول ہونے کی چند وجوہات ہیں:

(۱) اس زمانے کے واقعات پر یقینی دلائل کے ذرائع تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ قرآن مجید کا یہ موضوع ہی نہیں ہے اور فرائض نبوت میں تاریخی واقعات کی تشریح صرف اس حد تک شامل ہے جہاں تک عقیدے اور عمل کا تعلق ہے۔ تمام تاریخی واقعات کی تشریح پیغمبر کے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کسی تاریخی واقعہ کے قابلِ قبول ہونے کے لئے صرف ان دو ذرائع علم پر انحصار صحیح نہیں ہے۔

---

(۱۰) مرآۃ الحرمین، ص ۲۶۹ ج ۱

(۱۱) فی منزل الوحی ص ۳۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر سے متعلق روایات کے مقابلہ میں ایسی روایات موجود نہیں ہیں۔ جن میں اس کی نفی یا انکار پایا جاتا ہو۔

(۳) ان روایات کا عقیدے یا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے مواقع پر ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو علوم حدیث سے واقفیت رکھنے والے کسی شخص پر مخفی نہیں ہے۔

(۴) ان روایات میں سے بعض جلیل القدر صحابہؓ سے مروی ہیں۔ چنانچہ الازرقی نے اخبار مکہ میں امام ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری میں اور عبد الرزاق نے مصنف میں بعض صحابہ سے روایت کی ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی، اس لئے ان روایات کو قطعی طور پر بے بنیاد نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

کان آدم اول من اسس البیت وصلی فیہ یعنی سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور اس میں نماز ادا کی۔

(۵) قرآن مجید کی کئی آیات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے قبل بیت اللہ کی تعمیر ہو چکی تھی اور آپ نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر فرمائی ہے۔ مثلاً (۱) واذ بوأنا لابراھیم مکان البیت (حج ۲۶) (۲) واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت (۳) ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم (ابراہیم ۳۷) (۴) ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ (آل عمران ۹۶)

ان دلائل کے ہوتے ہوئے اس رائے کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل ثابت نہیں ہے۔

لہٰذا بنا بر اختلاف روایات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر تیسری یا چوتھی تعمیر ہے اور اس طرح اب تک بیت اللہ کی تعمیر مجموعی طور پر گیارہ مرتبہ ہو چکی ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے

(۱) فرشتوں کی تعمیر (۲)۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر (۳) شیثؑ کی تعمیر (۴) حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی تعمیر (۵)۔ قوم عمالقہ کی تعمیر (۶) قبیلہ جرہم کی تعمیر (۷) قصی بن کلاب مورث اعلٰے قریش کی تعمیر (۸) قریش کی تعمیر (۹) عبد اللہ بن زبیر کی تعمیر (۱۰) حجاج بن یوسف ثقفی کی تعمیر ۷۴ھ (۱۱) اور سب سے آخری تعمیر ۱۰۳۹ھ میں عثمانی خلیفہ سلطان مراد

بن سلطان احمد کے ہاتھوں ہوئی جواب تک موجود ہے

ملت ابراہیمی اور حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے ایسے وقت میں مبعوث فرمایا، جب پوری دنیا بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی، ہر طرف کفر و ضلالت اور مشرکانہ عقائد و اعمال کا دور دورہ تھا۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک شام سے ہجرت اور جزیرۂ عرب میں مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے رب کے حکم پر لبیک کہا اور اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ ملکر بیت اللہ کو قدیم بنیادوں پر از سر نو تعمیر فرمایا۔ تعمیر سے فارغ ہوئے تو جبریل آئے اور کہا کہ اب اس کا طواف کریں باپ بیٹے نے مل کر کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا۔ اور پھر جبریل امین کی ہمراہی میں آپ نے تمام مناسکِ حج ادا کئے۔ ہر مقام پر جبریل امین آپکے ہمراہ ہوتے تھے، اس طرح آپ نے جبریلؑ کی تعلیم کی روشنی میں سب مناسک ادا کئے۔

علامہ ازرقی لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جبریل کی تعلیم سے مناسک حج ادا کرتے ہوئے عرفات پہنچے تو جبریل نے آپ سے پوچھا کیا آپ نے مناسک حج سیکھ لیئے؟ آپ نے فرمایا، ہاں سیکھ لئے۔ اس لئے اس مقام کا نام عرفات ہو گیا۔ مادہ عرف کے معنی جاننا پہچاننا۔ (۱۳)

جب حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام وہ تمام مناسک ادا کر چکے جو آج امتِ مسلمہ ادا کرتی ہے تو حکم ہوا کہ اب ساری دنیا کو یہاں آکر حج ادا کرنے کی دعوت دو۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا	اور لوگوں میں حج کے لئے منادی کردو کہ تمہاری طرف
وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (۱۴)	پیدل اور دُبلے دبلے اونٹوں پر (سوار ہو کر) جو دُور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہوں چلے آئیں۔

اپنے رب کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جناب خلیل اللہ نے مقام ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کو خدا کی طرف سے بیت اللہ کے حج کی دعوت ان الفاظ میں دی۔

۱۲۔ محمد طاہر الکردی، مقام ابراہیمؑ، ص ۳۳، طبع مصر، ازرقی، اخبار مکہ

۱۳۔ ازرقی، اخبار مکہ ص ۳۴، ج ۱

۱۴۔ حج۔ ۱۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یاایھاالناس کتب علیکم الحج الی البیت العتیق فاجیبوا ربکم ۵ — اے لوگو! خدا نے تم پر بیت اللہ کا حج فرض کر دیا ہے۔ پس خدا کے حکم پر لبیک کہو۔ (۱۵)

اور اس طرح اس دعوت کی صدائے بازگشت قیامت تک آنے والی نسل انسانی نے سن لی، چنانچہ اس دعوتِ ابراہیمی کے نتیجہ میں جتنے انبیاء آپ کے بعد آئے سب نے بیت اللہ کا حج ابراہیمی تعلیمات کی روشنی میں ادا کیا۔

قال ابن اسحاق! لم یبعث اللہ نبیاً بعد ابراھیم الاوقد حج — ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ خدا نے جس نبی کو بھی حضرت ابراہیمؑ کے بعد بھیجا ہے اس نے بیت اللہ کا حج ادا کیا ہے۔ (۱۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کے اثرات جزیرۂ عرب اور بیرون جزیرہ ظاہر ہونے لگے تو ایک بڑی خلقت نے بت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی کو قبول کیا۔ اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی تعلیمات کے مطابق لوگ بیت اللہ کا حج ادا کرنے لگے۔

زمانہ جاہلیت کا حج جب تک جزیرۂ عرب میں دین ابراہیمی کے اثرات اور تعلیمات باقی تھیں عرب کے لوگ اور دوسرے قبائل ان تعلیمات کی روشنی میں مناسک حج ادا کرتے رہے۔ لیکن بعد زمانہ اور مرورِ ایام کے سبب جب جہالت عام ہوئی تو دین ابراہیمی کے بنیادی اصول لوگوں نے بھلا دیئے اور دوسری بت پرست اقوام سے اختلاط کے سبب مشرکانہ عقائد و اعمال اپنا لیے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم کردہ عبادات کو مشرکانہ مراسم سے بدل دیا گیا۔ عرب کے باشندے جہالت اور بت پرستی میں اس حد تک آگے نکل گئے کہ انہوں نے کعبہ کے ارد گرد اور کعبہ کے اندر بے شمار بت نصب کر دیئے۔ (۱۷)

تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جزیرہ عرب میں بیت اللہ کے علاوہ بھی بعض ایسے مقامات تھے جن کو وہ بیوت اللہ یا بیوت الحرام کہتے تھے۔ ان مقامات پر بھی جاہلیت میں لوگ مراسم حج ادا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ مشہور یہ تھے (۱) بیت الاقیصر (۲) بیت ذی الخلصہ (۳) بیت صنعاء (۴) بیت رضا (۵) اور بیت نجران اس کو کعبۃ النجران بھی کہتے تھے۔

۱۵۔ القریٰ لقاصد ام القریٰ، ص ۲۳

۱۶۔ 〃 〃 〃 ص ۲۵

۱۷۔ 〃 〃 〃 ص ۳

(۱) بیت الاقیصر، یہ قضاعہ، لخم وجزام وغیرہ قبائل کا کعبہ تھا، یہاں آکر وہ مناسک حج کی طرح مراسم ادا کر کے سر کے بال منڈایا کرتے تھے۔

(۲) بیت ذی الخلصۃ، اس کو کعبۂ یمانیہ کہا کرتے تھے، یہ دوس، خثعم، بجیلہ قبائل کے معبودوں کا مرکز تھا۔ اس کو کعبہ یمانیہ کہنے کی وجہ سے کعبۃ اللہ کو یہ لوگ کعبۂ شامیہ کہتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جریر بن عبداللہ نے اس کو منہدم کرایا۔

(۳) بیت رضا، بنو ربیعہ کا کعبہ تھا، مستوغر بن ربیعہ نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منہدم کرا دیا تھا۔

(۴) کعبۃ النجران کو بیت اللہ کے طرز پر بنایا گیا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کو کھالوں سے بنایا گیا تھا۔ بیت اللہ کے برابر اس کی تعظیم کی جاتی تھی۔

لیکن جاہلیت کے لوگ باوجود اختلاف مذاہب و اعتقادات کے بیت اللہ کی تعظیم پر متفق تھے اور اس کو بیت اللہ سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ دینِ ابراہیمی کو پورے طور پر بُت پرستی سے بدل ڈالنے کے باوجود جاہلیت کے لوگ عرب وعجم سب ہی بیت اللہ کے حج اور اس کی زیارت کو موجب ثواب سمجھتے تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ فارس کے شاہان اکاسرہ کے جداعلیٰ ساسان بن بابک نے بھی کعبۃ اللہ کا حج کیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کی قوم میں بھی اس کا رواج رہا۔ (۱۸)

قبائل عرب میں قریش کو دینِ ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ تھا۔ وہ خود کو بیت اللہ کی تولیت کا اجارہ دار بھی سمجھتے تھے۔ اپنی اس امتیازی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے انہوں نے مناسک حج میں اپنے لئے بہت سی ترمیمات کر لی تھیں۔

---

(۱۸) اسی کو ایک فارسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے:-

وما زلنا نحج البیت قدما	ہم ہمیشہ سے خانہ کعبہ کا حج کرتے اور امن واماں سے بطحا میں
ونلقی بالا باطح آمنینا	ڈیرے ڈالتے رہے ہیں۔
وساسان بن بابک سار حتی	ساسان بن بابک اپنے سرداروں کو ساتھ لیکر خانہ کعبہ پہنچا،
اتی البیت العتیق باصید نیا	اس کا طواف کیا اور حضرت اسمٰعیل کے کنوئیں پر جو پینے والوں کو
وطاف بہ و زمزم عند بیر	سیراب کرتا ہے خدا کی تعریف کا راگ گایا۔
لاسمٰعیل تروی الشاربینا	(معجم البلدان، ص ۱۴۱، ج ۴، طبع بیروت)

© rasailojarald.com

© rasailejafari.com

قریش نے عام لوگوں پر لازم قرار دیا تھا کہ وہ صرف حمس کے کپڑے پہن کر طواف کر سکتے ہیں، اس لئے غیر احمسی یا تو کپڑے مانگ کر یا کرایہ پر لیکر طواف کرتے تھے۔ مرد مردوں کے کپڑوں میں اور عورتیں عورتوں کے کپڑوں میں طواف کرتی تھیں جن لوگوں کو یہ کپڑے میسر نہ آتے وہ ننگے طواف کرتے تھے مرد دن کو اور عورتیں رات کو جو لوگ اپنے کپڑوں میں طواف کرتے وہ ان کو طواف کے بعد اتار کر حرم میں چھوڑ دیتے تھے، ان کو دوبارہ استعمال کرنا ناجائز سمجھتے تھے، ان کپڑوں کا نام "لقا" رکھا ہوا تھا بعض روایات میں ننگے طواف کرنے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ عام کپڑوں میں اس لئے طواف نہیں کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں وہ دن رات گناہ کرتے ہیں ان میں خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرنا چاہیئے:

لا نعبد اللہ فی ثیاب اذنبنا فیھا(۱۹) یعنی جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ہم ان میں اللہ کی عبادت نہیں کرنا چاہتے۔

اسی نظریہ کے تحت وہ ننگے طواف کرتے تھے۔ عورتیں بھی نہایت معمولی کپڑا (جس سے صرف شرمگاہ کا ستر ہو جاتا تھا) پہن کر طواف کرتی تھیں (بعض روایات میں ہے کہ یہ معمولی ستر بھی نہیں ہوتا تھا۔ مادرزاد ننگی ہو کر طواف کرتی تھیں) اور یہ کہا کرتی تھیں۔

الیوم یبدو بعضہ او کلہ یعنی آج سارا بدن یا اس کا کچھ حصہ کھل جائے گا لیکن اس میں
وما بدا منہ فلا احلہ سے جو کھل جائے گا میں اس کا دیکھنا کسی کے لئے حلال نہیں کرتی۔

ایک امتیاز انہوں نے یہ قائم کر رکھا تھا کہ وہ عرفات جو حج کی اصل عبادت گاہ تھی نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کے چہیتے اور اس کے حرم کے پاسبان ہیں ہم اہل حرم ہیں ہم حدود حرم سے باہر نہیں جا سکتے یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے۔ اس لئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے۔ باقی لوگ عرفات چلے جاتے، حالانکہ وہ خود بھی عرفات چلے جانے کو مناسک حج میں شمار کرتے تھے۔

قرآن مجید نے ان کے اس زعم باطل کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

ثم افیضوا من حیث افاض الناس (بقرہ ۱۹۹) پھر تم وہیں سے چلو جہاں سے لوگ چلتے ہیں۔

ان بدعات کے علاوہ انہوں نے حج کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا تھا، جس کو "حج مصمت" کہتے تھے۔ اس حج میں شروع احرام سے آخر تک بولنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس کو

---

۱۹. تاریخ العرب قبل الاسلام ص ۲۲۵ ج ۵

بڑا ثواب جانتے تھے۔ اسلام نے اس تکلیف مالایطاق سے منع کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک عورت کو جس کا نام زینب بنت المہاجر تھا دیکھا کہ بالکل خاموش ہے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے حج مصمت کی نیت کی ہے۔ آپ نے اس فعل سے اس کو منع کیا اور فرمایا یہ فعل حلال نہیں ہے' یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے۔ (۲۰)

حاصل یہ کہ جزیرۂ عرب میں دینِ ابراہیمی کے مکمل خاتمہ کے باوجود جاہلیت کے لوگوں میں اس دین کے بعض آثار و علامات ظہورِ اسلام تک موجود تھیں۔ دینِ ابراہیمی کے ان باقیات میں سے ایک حج بھی تھا' اگرچہ بت پرستی اور مشرکانہ اعتقادات کی بنا پر حج ابراہیمی اپنی صحیح صورت میں باقی نہیں رہا تھا، بلکہ احرام سے لیکر اختتام تک قدم قدم پر بے شمار مشرکانہ اعمال اور بدعات کی وجہ سے حج کی صورت ہی مکمل طور پر بدل گئی تھی۔ اس کے باوجود حج کا تصور پورے اہتمام کے ساتھ ظہورِ اسلام تک موجود رہا۔ جاہلیت کے لوگ صدیوں سے بیت اللہ کا حج ہر سال پابندی کے ساتھ کرتے چلے آرہے تھے

حج اور اسلام پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدا میں دینِ ابراہیمی کے ان نام نہاد مدعیوں کو اسی حالت میں بیت اللہ کا حج ادا کرتے چھوڑا۔ اور اپنی تمامتر کوششیں دعوتِ توحید پر مرکوز کر دیں۔ مشرکین مکہ کے لئے ایک زبردست چیلنج تھا۔ چنانچہ آپؐ اور آپ کے صحابہ کو ستانا اور ان پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ بالآخر آپ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ملا۔ مدینہ میں مسلمان بڑی بے چینی سے اس وقت کے منتظر تھے۔ جب وہ مکمل اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا حج کریں۔ ادھر مشرکین مکہ کی عداوت اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ مسلمانوں کو ایک نظر بھی بیت اللہ کے دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔

بالآخر ۶ھ میں مسلمانوں کی اس دلی تمنا کے پورے ہونے کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ جب کہ حج کو اسلام کا پانچواں اور آخری اہم رُکن قرار دیا گیا۔ لیکن فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے لئے اجتماعی طور پر حج ادا کرنا ممکن نہیں تھا، ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ مگر اس سال بھی ملک میں امن و امان اچھی طرح قائم نہ ہونے کی وجہ سے حج مشرکین مکہ ہی کے اہتمام میں ہوا۔ مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسد کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے' فریضۂ حج ادا کیا۔ ۹ھ میں بعض وجوہات کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰۔ بخاری ص ۵۴۱ ج ۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بذاتِ خود حج کے لئے تشریف نہیں لے جاسکے اور آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امارتِ حج کے منصب پر مامور فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ تین سو مسلمانوں کا قافلہ لیکر حج کے لیئے روانہ ہوئے۔ اس قافلہ میں حضرت علیؓ نقیب اسلام، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ معلّم تھے۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے پورے اطمینان سے اجتماعی طور پر فریضۂ حج ادا کیا۔ اور اس سال رسم حج سنّتِ ابراہیمی کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ اس حج کا ایک مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عہد جاہلیت کی ان تمام رسومات و بدعات کے خاتمہ کا اعلان کیا جائے۔ جن پر صدیوں سے عرب کاربند ہو کر چلے آرہے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کو سنّتِ ابراہیمیؑ کے مطابق حج ادا کرنے کی تعلیم دی اور منیٰ کے مقام پر مشرکین کے نام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام سنایا اور پھر یہ منادی کرادی۔

اَلَا لَا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت بعد الیوم عریان ۵ — یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے ارادے سے نہ آئے اور آج کے بعد کوئی شخص ننگا رسم جاہلیت کے مطابق خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔

جب ۹ھ کے اس حج میں تمام مشرکانہ باتوں اور بدعتوں کا ازالہ ہو گیا اور مشرکین کے لئے بیت اللہ کا حج ممنوع قرار دیا گیا تو اب وہ وقت آگیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں۔ چنانچہ ذی قعدہ ۱۰ھ میں آپؐ حج بیت اللہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے نکلے۔ ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے زیادہ جانثار آپؐ کے ساتھ تھے۔ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے اس آخری حج (جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں) میں ایک لاکھ سے زائد فرزندانِ توحید کو سنتِ ابراہیمی کے مطابق مناسکِ حج ادا کرنے کی تعلیم دی اور اس طرح کعبہ کفر و شرک کی ظلمتوں سے پاک ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عباداتِ ابراہیمی کا مرکز قرار پایا۔ گویا آج ربّ کعبہ کے اس حکم "وطھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود" (۲۲/۲۶) کی تعمیل آخری بار آپ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی اور خدا کا یہ گھر قیامت تک کے لئے صرف اسی کی عبادت و پرستش کے لئے مخصوص ہو گیا۔ اور اس دن سے آج تک برابر فرزندانِ توحید لاکھوں کی تعداد میں دنیا کے گوشے گوشے سے دور دراز کا سفر طے کر کے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں اور فریضۂ حج ادا کرتے ہیں۔